سفر نامہ

سرزمینِ مولائے روم............

انقرہ سے ہم بذریعہ فاسٹ ٹرین قونیہ کے لئے روانہ ہوئے...... یہ ایک تیز رفتار ٹرین ہے جو کچھ ہی عرصہ قبل چلنا شروع ہوئی ہے......ٹرین کا ہر ڈبہ خوبصورت اور آرام دہ سیٹوں سے آراستہ دروازے آٹو میٹک' ہر ڈبہ میں راستے میں آنے والے اسٹیشنز کی تفصیلات' اور ایک [رفتار میٹر] جو ٹرین کی رفتار بتا تا ہے......ہم نوٹ کرتے رہے ٹرین ایک سو بیس میل فی گھنٹہ اور کبھی اس سے زاید رفتار سے دوڑتی رہی......اور ہم سوچتے رہے زندگی کا سفر بھی اسی تیزی سے گزر رہا ہے اور اسی طرح اختتام کی طرف جا رہا ہے جس طرح یہ ٹرین.........اور پھر جیسے ہی اس ٹرین کا آخری اسٹیشن آئے گا یہ وہاں جا کر رک جائے گی......اور کچھ وقت کے بعد اس کی واپسی شروع ہو جائے گی.........مگر ہم جس آخری اسٹیشن کی طرف رواں دواں ہیں وہاں سے پھر واپسی نہیں.........بلکہ وہ خالدین فیھا ابدا ......والا اسٹیشن ہے اور اس اسٹیشن پر قیام عارضی نہیں بلکہ لھم فیھا نعیم مقیم ....اور اس اسٹیشن پر ہر وہ شئی ملتی ہے جس کی انسان خواہش کرے اور جس سے آنکھیں لذت پائیں ......لھم فیھا ماتشتھیہ الانفس وتلذ الاعین ....اور کسی چیز کی خواہش کی ممانعت بھی نہیں یہاں تو بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ہم خواہش بھی کریں تو پا نہ سکیں پالیں تو الٹا مصیبت وعتاب وعذاب میں گرفتار ہوں ......اور وہاں نہ کوئی مصیبت' نہ کسی عتاب وعذاب کا خدشہ اور نہ خواہش پوری نہ ہونے کا کوئی ڈر.........ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم ولکم فیھا ما تدعون بشرطیکہ یہاں (دنیا میں) خواہشات سے منہ موڑ کر زندگی گزاری ہو.........اور زندگی کا سفر صبر واستقامت کے ساتھ حسب منشائے مالک ومولی طے کیا ہو.........اگر ایسا ہو تو لوگ تمہاری طرف سفر کر کے آئیں گے......وعلی کل ضامر یاتینک من کل فج عمیق...... ہم بھی شاید اسی لئے شدر حال کر کے یہاں پہنچے.........ہماری ضامرہ (ٹرین) اپنے وقت مقرر ایک بجے روانہ ہوگئی تھی اور اس نے دو بج کر پچاس منٹ پر قونیہ پہنچا دیا۔ وہ قونیہ جس کی زیارت کی ہم نے رب العزت سے بارہا دعائیں مانگی ہیں......(اللھم ارزقنی زیارۃ قونیتک)اور آج ان دعاؤں کی قبولیت متشکل ہو کر سامنے آنے والی ہے......اور یہ کوئی پہلا موقع نہیں کہ دعاء قبول ہوگئی اور نتیجہ سامنے آ رہا ہے بلکہ

شکر خدا کہ ہر چہ طلب کردم از خدا بر منتہائے مطلب خود کامراں شدم

وحج البیت من استطاع الیہ سبیلا.........حکم فرضیتِ حج.........ذی قعدہ ۹ ہجری

وہ قونیہ جس میں ملک روم کے عظیم صوفی اور ملکِ ولایت کے ایک عظیم تاجور مولائے روم کی قیام گاہ وآرام گاہ ہے..........وہ جنہوں نے خود اپنے بارے میں فرمایا ہے......

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم..........تا غلامِ شمس تبریزی نہ شد......

حیرت انگیز طور پر یہاں بھی ہماری میزبانی کا انتظام ہو چکا تھا ٹرین ابھی قونیہ ریلوے اسٹیشن سے پندرہ منٹ کے فاصلہ پر تھی اور ہم سوچ کے تانے بانے بن رہے تھے کہ اسٹیشن پر اتر کر کسی سے دریافت کریں گے کہ مولائے روم کا مزار شریف کس طرف ہے اور ادھر جانے والی ٹیکسی لے لیں گے اور کسی نے استانبول میں بتایا تھا کہ ہوٹل مزار کے علاقہ میں ہی ہیں اور کافی تعداد میں ہیں مہنگے بھی نہیں......انہی خیالات میں گم انتظارِ وصول کی گھڑیاں گنی جا رہی تھیں کہ سیل فون کی گھنٹی بجی اور کسی نے سلام کے بعد کہا......**انت دکتور شاهتاز**......؟ ہم نے کہا نعم......**انا هو**......کہا: **نحن فی انتظارک فی محطة القطار فی القونیه**......**وانت فی عربه رقم ۴ ؟**......ہم نے کہا **نعم ولکن من انتم ؟**..........کہا: **نحن من قونية ومعنا خطيب مسجد الشيخ شمس تبريزی**..........سبحان اللہ انہیں کس نے بتا دیا کہ ہم آ رہے ہیں اور اس ٹرین میں ہیں اور ہمارا ڈبہ نمبر ۴ ہے......؟ خیال ہوا کہ یہ کرم شیخ عبد اللہ فاروقی صاحب نے کیا ہوگا..........کیونکہ ٹکٹ کا انتظام انہی نے کیا تھا اور ہمیں بتائے بغیر کیا تھا سو یہ کام بھی انہی کا ہو سکتا ہے......اللہ رب العزت انہیں جزائے خیر عطا فرمائے..........

چند منٹ میں ٹرین نے قونیہ اسٹیشن کے پلیٹ فارم کی قدم بوسی کی اور ہم اتر پڑے......اب ہمارے قدم اس سرزمین کو چھو رہے تھے جسے سلطان جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے بقعہ نور بنا دیا..........ہمارے مرشدِ گرامی (قبلہ بابوجی رحمۃ اللہ علیہ) ۱۹۴۹ میں یہاں تشریف لائے تھے یہ وہی قونیہ ہے..........ہاں یہ وہی قونیہ جو سلجوق سلطنت کا دار الخلافہ رہا......(۱۳۰۷......۱۰۷۷ء) اس علاقہ کو ارض سلجوقیانِ روم کہا جاتا تھا کیونکہ یہ رومن ایمپائر کے علاقوں پر قائم کی گئی تھی......قدیم مغربی مصادر میں اسے سلطنتِ قونیہ کے نام سے بھی ذکر کیا گیا ہے۔

اسٹیشن پر پیر عبد اللہ فاروقی صاحب کے مرید جناب کامران عبد اللہ (تاجکستانی) حسن حسین (ترکی) اور شیخ امرا (شامی)......جو کہ ایک مسجد کے امام ہیں نے ہمارا استقبال کیا......اور اپنی گاڑی میں ہمیں سیدھے حضرت

وحج البیت من استطاع الیه سبیلا..........حکم فرضیتِ حج..........ذی قعدہ ۹ ہجری

سلطان جلال الدین رومی (مولانا روم) رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر لے گئے......

مزار شریف جس احاطہ میں ہے یہ ایک میوزیم ہے اس میں جانے کے لئے ٹکٹ لینا ہوتا ہے..... یہاں دروازے پر ڈرم رکھے ہیں جن میں پلاسٹک کی ایسی تھیلیاں ہیں جو جوتوں کے اوپر آسانی سے پہنی جاسکتی ہیں تاکہ جوتوں کے ساتھ مٹی وغلاظت وغیرہ اندر نہ جائے اور صفائی کے نظام کو متاثر نہ کرے..... یوں لوگوں کے جوتے اتروائے نہیں جاتے..... گویا ادب کا کوئی نظام پیش نظر نہیں .... ہم سے تو یہ گوارا نہ ہوا، ہم نے جوتے اتار کر ایک طرف رکھ دئے اور ان کی پلاسٹک کی تھیلی اپنی جرابوں پر ہی چڑھالی..... دہلیز تک پہنچتے ہی زباں پہ یہ مصرعہ نہ جانے کیوں آ گیا..........

خاکِ درگاہت دلم رامیفریفت خاک بروے کو زخاکت می شکیفت

مزار شریف کے اردگرد لکڑی کا جنگلا ہے اور اندر بہت سی قبریں ہیں تقریبا ہر قبر پر کتبہ ہے سب سے اونچی قبران بزرگ کی ہے جن کا نام ہم بچپن سے ..... مولانا رومی..... پیر رومی ..... جلال الدین رومی..... مولانا روم...... (رحمۃ اللہ علیہ) سنتے چلے آئے ہیں..... علمی وجاہت قبر سے بھی مترشح ہے..... ساتھ ہی ان کے والد گرامی اور دیگر اہل خاندان بیٹوں، خلفاء اور حضرت صلاح الدین زرکوب کا مزار بھی ہے..... حضرت صلاح الدین زرکوب کا ذکر اور حسام الدین چلپی کا ذکر آپ مثنوی میں بھی کرتے ہیں..... یہاں بیٹھنے کا نظام نہیں کھڑے کھڑے سلام وفاتحہ پیش کی جاسکتی ہے ہم نے یہ سب کیا تو..... مگر تسلی نہ ہوئی برابر میں ایک چھوٹی سے مسجد ہے، ہم اس میں جا بیٹھے مگر وہاں سے مزار نظر نہیں آتا..... اب ہم تھے اشنان گنگا اور درشن دیوی کے ایک ساتھ مزے لینے کے عادی ......اپنی تسلی کے لئے ہم تھوڑی دیر تو تلاوت کرتے اور پھر مسجد کی دیوار کی جالیوں سے مزار کی طرف بھی جھانک لیتے..... یہاں بنسری کی آواز کا ریکارڈ ہر وقت بجتا رہتا ہے اور..... نے..... کی یہ آواز یاد دلاتی رہتی ہے کہ......

بشنو از نے چوں حکایت می کند واز جدائی ہا شکایت می کند

مولانا روم نے بنسری کی آواز پر جو اپنی عشق ومستی کی زندگی کی بنیاد استوار کی تھی اس کے سبب آج بھی وہاں میوزیم میں بنسری کے کئی نمونے رکھے ہیں اور بنسری کی آواز ہر وقت آتی رہتی ہے۔

ہم نے بصد عجز ونیاز سلام وفاتحہ پیش کی..... اور مدتِ دراز کی ایک خواہش (حاضریٔ مزارِ مولانا) کی تکمیل پر بارگاہ ایزدی میں سربسجود ہو گئے یارائے ضبط نہ رہا..... آنکھوں سے برسات جاری ہو گئی......

چوں خدا خواھد کہ ما یاری کند میل ما را جانب زاری کند

امیر حج ابوبکر الصدیق کی امارت میں پہلا حج............ ۲۵ ذی قعد ۹ ہجری

اللہ کا دہرا انعام ہوگیا...... حاضری بھی اور زاری بھی.......... اس کیفیت کو ضبط کرنے کی کوشش کی تو دل سے آواز آئی: باتضرع باش تا شاداں شوی گریہ کن تا بے دہاں خنداں شوی

کہاں ہم...... کہاں مولانائے روم......... چہ نسبت خاک را بعالم پاک......... مگر یہ رب کریم کا کرم اور یکے از خاصانِ خدا (مولانا روم) کی شفقت وتوجہ..... کہ اسبابِ حاضری پیدا ہوگئے.......... اور وہ بھی ناز برداریوں کے ساتھ.........

بچپن ہی میں اپنے والدِ گرامی سے ہمیشہ مثنوی کے اشعار سن کر مولانا روم سے ایک عقیدت ومحبت پیدا ہوگئی تھی..... کوئی تقریر ہمارے والد گرامی کی مثنوی سے خالی نہ ہوتی...... ہر تقریر کے شروع میں وہ یہ اشعار ضرور پڑھا کرتے..........

سیدو سرور محمد نورِ جاں	مہتر وبہتر شفیع مجرماں
آفتابِ شرع دریائے یقیں	نور عالم رحمۃ للعالمین
بے کساں را کس توئی در ہر نفس	من نہ دارم در دو عالم جز تو کس
یارسول اللہ بسے در ماندہ ام	باد برکف خاک برسر راندہ ام

یہ اور اس طرح کے دیگر اشعار وہ اپنی مخصوص لے میں پڑھا کرتے اور سامعین ان اشعار کو سن کر جھوم جھوم جاتے تھے..........

وہ گھر پر بھی اکثر مثنوی شریف کا مطالعہ کرنے میں مشغول رہتے اور بعض اشعار پر خوب آنسو بہایا کرتے...... مولانا رومؒ کے کلام سے انہیں عشق تھا...... اور یہ عشق انہیں اپنے مرشد (پیر سید مہر علی شاہ صاحب نوراللہ مرقدہ) سے ملا تھا کہ وہ بھی مولانا روم کے سچے عاشقوں اور انہی کے مشرب پر تھے...... ہم نے ایک روز ان سے مثنوی کی حیثیت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: اس کے مرتبہ ومقام کو جاننا چاہتے ہو تو مولانا جامی سے سنو اور پھر بڑی شاندار لے میں مولانا جامی کا یہ شعر سنایا:

مثنوی ومولوی ومعنوی ہست قرآں در زبانِ پہلوی

گھر کے اس ماحول پر مہمیز کا کام مرشد کی خدمت میں حاضری اور وہاں کی محفل سماع کی رونقوں نے کیا........ تعلیم وتعلم کے چند برس جو ادھر درویشی میں گزرے تھے کچھ ان کا بھی اثر تھا...... محبوب قوال صاحب کی مثنوی کی گرہیں تو اب بھی کانوں میں رس گھولتی رہتی ہیں......

لبیک اللھم لبیک ...... حجۃ الوداع کے لئے روانگی رسول ﷺ ....۲۵ ذی قعدہ ۱۰ ہجری

سرِ شام چونکہ مزار شریف بند ہو جاتا ہے اور عملہ واپس چلا جاتا ہے اس لئے مغرب سے پہلے پہلے یہاں سے رخصت ہونا ضروری تھا...... یہاں سے رخصت ہوئے اور پیدل پیدل حضرت شاہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پہنچے وہاں مسجد میں نمازِ مغرب با جماعت مل گئی...... اللہ کا شکر ادا کیا کہ قونیہ کے باشندوں اور مولانا روم و شاہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مند صالحین کی صف میں جگہ ملی...... دل نے کہا شاید اللہ تعالیٰ ان نیک لوگوں کے طفیل اپنی بھی قبول کر لے.......... دوسری خوشی اس بات کی کہ ایک اور مسجد اس کی زمین اور اس کے نمازی قیامت میں ہمارے گواہ ہوں گے کہ ہاں ہاں یہ بھی آیا تھا.......... اور یہاں ہمارے ساتھ سجدہ ریز ہوا تھا......

۱۹۸۰ء میں یہاں صدر جنرل محمد ضیاء الحق بھی اپنے وفد کے ہمراہ حاضری کے لئے آئے اور اسی طرح پیدل چلتے ہوئے مزار شاہ شمس تبریز تک گئے تھے...... سڑک کے دونوں جانب جمع لوگوں نے ان کا بڑا والہانہ استقبال کیا تھا..........

حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں تفصیلاً ہم بعد میں بات کریں گے خود مولانا روم رحمۃ اللہ نے ان کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ بھی اتنا مختصر نہیں کہ فی الفور پیش کیا جا سکے تاہم ان کی عقیدت کا ایک پھول پیش خدمت ہے جو اس وقت کسی طرح ہمارے دل و دماغ میں خوشبو انڈیل رہا تھا......

شمس تبریز بما راہِ حقیقت نمود ‏ ‏ ‏ مازِ فیضِ قدِ اوست کہ ایماں داریم

حضرت کے مزار شریف پر سلام و فاتحہ پیش کرنے کے بعد باہر آئے تو جھگڑا ہو گیا...... تین فریق ہمیں میزبانی عطا کرنے پر تیار اور تینوں کا آپس میں اصرار و اختلاف...... کہ پہلے میں...... پہلے میں.......... بالآخر ترکی زبان میں جو کچھ طے پایا اس میں سے ہم صرف اس قدر سمجھ سکے جس کا مطلب تھا ...... باری باری.......... سبحان اللہ پاکستانیوں سے ان ترکوں کی محبت سنی تھی اس وقت اس کا عملی مظاہرہ ہو رہا تھا.......... اور درحقیقت تو اللہ کے فضل بار ہا دیکھے، سنے، حاصل ہوئے اب ایک اور فضل ہونے جا رہا تھا.......... دل سے صدا آئی...... کـــم کریم انت یا رب..........

ان کا میزبانی پر جھگڑنا دیکھ کر ہمیں قرآن کا بیان کردہ وہ منظر یاد آنے لگا.......... وما کنت لدیھم اذ یلقون اقلامھم ایھم یکفل مریم .... وما کنت لدیھم اذ یختصمون......

اگرچہ نہ ہم حضرت مریم کی شان و صفات میں سے کسی شان و صفت کے مالک نہ ان کی پائے خاک و گردِ راہ سے

کوئی مناسبت تاہم نیک لوگوں کا میزبانی جیسے نیک معاملے میں جھگڑنا گویا دیرینہ معاملہ ہے اور اس کے ڈانڈے کہاں سے کہاں جا ملتے ہیں........ ہم نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ پردیس میں آ کر ایک دیسی بندے کو ایسی عزت ملے گی مگر وما ذلک علی اللہ بعزیز...... اللہ رب العزت کی قدرت کاملہ سے کوئی شئی باہر نہیں........ اور پھر یہ دیس حضرت مریم علیہا السلام کا دیس بھی تو ہے...... اسی ترکی میں افسس (Ephesus) کا شہر ہے جو شہر سیدہ مریم کہلاتا ہے......... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد وہ یہاں آ کر رہائش پذیر ہوگئی تھیں......... عیسائیوں نے یہاں ان کا گھر اور ان کی آخری آرام گاہ تعمیر کی......... موقع ملا تو زیارت کو جائیں گے......

رات کے قیام کے لئے ہمارا انتظام شیخ شہاب الدین فرفور نے اپنے تعلقات کی بنیاد پر ایک مدرسہ میں کیا تھا جو شیخ صالح کا مدرسہ ہے یہاں کے ناظم لینے آئے ہوئے تھے...... شیخ امرا اپنے گھر لے جانا چاہتے تھے...... شیخ فرفور کے ایک اور دوست شیخ ابودجانہ عبداللطیف عبدالحی بھی اپنے گھر لے جانا چاہتے تھے...... مگر ہم درویش جو ٹھہرے ہم نے شیخ صالح کے مدرسہ کو ترجیح دی...... اور پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا...... حسن حسین نے اپنی گاڑی میں ہمیں مدرسہ پہنچایا مگر وہ اس پر خوش نہ تھے کہ انہوں نے ہوٹل میں انتظام کر رکھا تھا...... چنانچہ رات مدرسہ میں قیام کیا...... مدرسہ میں دو سو سے زاید ترکی و شامی طلبہ مقیم تھے...... چار منزلہ عمارت میں کلاس روم کے علاوہ رہائش ہوسٹل، مطبخ و دیگر تمام لوازمات...... شیخ کا غرفہ تدریس کیا ہے...... کتابوں سے بھرپور ایک منی لائبریری ہے جہاں شیخ کے آس پاس اوپر نیچے آگے پیچھے، دائیں بائیں، کتابیں ہی کتابیں ہیں...... یہی ان کا دفتر اور یہی دارالحدیث ہے...... سادگی عجب شان کی...... عمر اخیر میں اسلاف کے طرز پر گفتگو مگر گھن گرج جوانوں کی سی..........

ہمارے میزبان دوست حسن حسین (جنہوں نے ہمیں اسٹیشن سے لیا تھا) کو ہمارا یہاں قیام کرنا پسند نہیں آیا کہ یہ ان کے معیار کے مطابق نہ تھا...... انہوں نے علی الصبح فون کر کے کہا ہم اس مدرسہ میں آپ کے قیام پر خوش نہیں اجازت دیں تو ہم آپ کو اور آپ کا سامان لینے آ جائیں اور آپ ادھر ہمارے ہاں قیام کریں........ دوسری طرف شیخ صالح کمال جن کا مدرسہ ہے...... وہ خود بنفس نفیس بایں پیرانہ سالی و مشیخی (بعمر ہفتاد و دو ۷۲ سال) ہمارے لئے کھانے کا تھال گھر سے گھر کے ڈرائنگ روم میں لے کر داخل ہوئے تو ہم شرم سے پانی پانی ہوگئے...... تھال رکھ کر کہا میں پانی لے آؤں ہم نے کہا ہم خود پانی پانی ہو رہے ہیں آپ مزید کچھ

☆☆ حجۃ الوداع.........۹ ذوالحجہ ۱۰ ہجری۔۹ مارچ ۶۳۱ء

نہ لائیں..... مگر وہ کہاں ماننے والے تھے پھر گئے اور پانی اور فروٹ وغیرہ اور چائے سمیت بڑا سا ایک تھال اور لائے ہم نے آگے بڑھ کر تھال ان کے ہاتھ سے لینا چاہا مگر انہوں نے بر لما نا اور کہا آپ تشریف رکھیں آپ ہمارے مہمان ہیں..... ہم نے کہا صاحب ہمیں اندازہ نہ تھا کہ آپ یہ سب کچھ خود کریں گے.......... اگر یہی صورتحال رہی تو ہمارا یہاں رکنا مشکل ہو جائے گا..... مگر وہ اسے غیر حقیقی خیال کرتے ہوئے تکلف سمجھے.....اور ہم انہیں حقیقی تکلف میں دیکھ کر مزید تکلیف نہ دینے کی ٹھان چکے تھے..... رات کو ان سے خوب گفتگو رہی گویا ایک بزرگ عالم دین کی صحبت میسر آئی متعدد امور پر بات چیت رہی ان کا پسندیدہ موضوع فقہ تھا اور ہمیں بھی کچھ اس سے انس ہے' متعدد فقہاء' فقہی اقوال' شروح کتب' تراجم رجال' علمائے ہند اور خدمتِ دین غرضیکہ ہر دینی موضوع پر کچھ نہ کچھ ان سے سننے کو ملا..... ان کا میلان جماعتِ تبلیغ کی جانب دیکھ کر ہم نے سوال کیا کہ کیا آپ نے کبھی پاک وہند کا سفر کیا؟ فرمایا نہیں کبھی جانا نہیں ہوا..... البتہ ادھر کے بعض عالم یہاں ترکی آتے جاتے ہیں تو ملاقات ہو جاتی ہے..... طویل نشست کے بعد ہم فرش پر دراز ہو گئے بستر جو انہوں نے دیا تھا ہم نے ایک طرف رکھ چھوڑا..... البتہ رات کو کچھ خنکی ہوئی تو کمبل کی ضرورت پیش آئی..... رات بسر کی' صبح فجر کی نماز کے بعد ان کے کمرہ درس وافتاء میں حاضری دی تا کہ اجازت لی جا سکے مگر وہ بہت برہم ہوئے کہا ناشتہ کئے بغیر کیسے اجازت ہو سکتی ہے وہ اس وقت ایک طالب علم کو..... عمدۃ الاحکام..... کا سبق پڑھا رہے تھے (فجر کی نماز کے فوراً بعد)..... سبق موخر کیا اور ناشتے کے لئے ساتھ لے کر اپنے گھر کو چلے ان کا گھر اسی چار منزلہ مدرسہ کے گراؤنڈ فلور پر ہے۔ ہم نے خیال کیا کہ ہماری رات والی گفتگو سے وہ اب رات جیسا معاملہ نہیں کریں گے اور ان کا کوئی طالب علم ناشتہ لائے گا مگر اب پھر وہی ہوا اور وہ خود ناشتہ لے کر آئے..... بڑی شرمندگی ہوئی' رہا نہ گیا' ہم نے عرض کی حضرت شیخ..... ہمارے والد گرامی آپ ہی کی طرح بزرگ عالم تھے انہوں نے ہمیں علماء کی خدمت کرنے کی ہمیشہ تلقین کی..... نہ کہ علماء سے خدمت کرانے کی..... مجھ سے اب یہ برداشت نہ ہوگا لہذا میں آج فرار ہو جاؤں گا..... (هذا فراق بيني وبينك) میرے لئے یہ قطعاً مناسب نہیں کہ آپ جیسا بزرگ عالم دین مجھ ایسے ناکارہ کے سامنے کھانا ناشتہ لا کر رکھے......... وہ کہتے رہے یہ میرا فرض ہے' اگر میں آپ کا مہمان بنوں تو کیا آپ ایسا نہیں کریں گے؟..... مگر ہم تو فرار کی ٹھانے بیٹھے تھے' کہ ایک مردِ پیر کو تکلیف میں مبتلا کرنا کونسی حسنات میں اضافہ کرے گا.....؟ جبکہ متبادلات میسر وموجود تھے............ ناشتے کے بعد شیخ از راہِ لطف ہمیں رخصت کرنے مین گیٹ تک آئے تو میں نے عرض کیا کہ وہ ہمارے میزبان نوجوان

آئیں گے میرا سامان ان کو دے دیجئے گا اور مجھے اجازت...... وہ راضی نہ ہوئے..... اور کہا آپ زیارات اور سیر وتفریح کریں شام کو ادھر ہی آیئے گا..... ہمیں خوشی ہوگی اور کوئی سامان لینے آیا تو ہم ہرگز نہ دیں گے......

ہم احاطہ مدرسہ سے نکل کر ایک منی بس کے ذریعہ جسے یہاں مونا بس کہا جاتا ہے' حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پہنچے..... چونکہ مزار شریف میوزیم کے احاطہ میں ہے اور اندر جانے کے لئے ٹکٹ لینا ہوتا ہے اور ٹکٹ گھر صبح ۸ بجے کھلتا ہے لہذا ہم بھی منتظرین کی صف میں شامل ہو گئے..... ٹکٹ گھر کے سامنے مختلف لوگ کھڑے تھے مرد و خواتین ہر ملک ہر نسل اور ہر جنس کے' ان میں مسلم بھی تھے اور غیر مسلم بھی کوئی جرمنی سے آیا تھا تو کوئی فرانس سے..... یہ سب سیاح تھے ان کے ساتھ گائیڈ بھی تھے جن کے ہاتھوں میں نقشے اور کچھ پمفلٹ تھے ......اور یہ اپنے اپنے گروپ کو اندر کی کیفیات وزیارات وغیرہ کے بارے میں بتا رہے تھے۔ انہوں نے داخلے کے ایڈوانس ٹکٹ لے رکھے تھے۔ جیسے ہی مین گیٹ کھلا ہم کاؤنٹر پر جا پہنچے ٹکٹ لیا اور اندر مزار شریف کے دروازے پر آئے..... چوکھٹ چومنے کو دل چاہ رہا تھا مگر اس وقت ہجوم کے باعث اس "بدعت" کا موقع ممکن نہ تھا..... دل ہی دل میں ہم نے کہہ لیا..... سنگ بابِ تست سجدہ گاہِ ما........ اور دیر تک اس مصرعہ کا تکرار جاری رہا...... مزار شریف پر سلام پیش کیا..... تحیۃ المسجد ادا کرنے اور تھوڑی دیر مسجد میں ٹھہرنے کے بعد پھر مزار کے قریب آ کھڑے ہوئے اور جو کچھ اب تک پڑھا تھا تحفۃً پیش کیا..... دس بجے تک یہ سلسلہ جاری رہا......

دس بجے کامران عبداللہ کا فون آیا کہ حسین کہہ رہے ہیں ہم آپ کو مدرسہ سے لینے آ رہے ہیں ......میں نے کہا میں تو اس وقت حضرت سلطان جلال الدین رومی کی مسجد میں ہوں..... آپ جا کر وہاں سے میرا سامان لے آئیں..... یہاں ہر شخص پیر رومی کو..... مولانا.......... کے نام سے جانتا ہے ہر بچے اور بڑے کی زبان پر..... مولانا...... ہے' راستہ پوچھنا ہو اور آپ کہیں کہ مجھے جلال الدین رومی کے مزار پر جانا ہے تو شاید کم لوگ سمجھیں..... اور آپ کسی بچے سے اشارے سے بھی کہیں کہ........ مولانا.......... تو وہ فوراً سمجھ جائے گا..... کئی ہوٹلوں کئی سڑکوں اور کئی پارکوں کا نام مولانا کے نام پر ہے بعض بسوں ٹیکسیوں اور رکشاؤں پر مولانا کے مزار شریف کی تصویریں لگی ہیں اور پورا قونیہ یوں لگتا ہے کہ مولانا کے تصرف کی بنیاد پر ایک روحانی شہر ہے ...... یہاں کی ہر شئی سے اس شہر کا مسلم سٹی ہونا خود عیاں ہے......... بہت مسجدیں ہیں' طرز تعمیر گھروں کا بھی اسلامی ہے' لوگ مذہبی لباس میں ہیں ..... خواتین کا پردہ ہے..... بازاروں میں زیادہ عورتیں نظر نہیں آئیں...... اللہ کی طرف سے اپنے ایک بندے کی پذیرائی کی شان تو دیکھئے کہ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ

فصل لربک والنحر .... پہلی نماز عید الاضحیٰ اور قربانی........ ذی الحجہ ۲ ہجری ۶۲۴ء

اللہ علیہ اس شہر میں ۶۴۲ ہجری میں تشریف لائے تھے اور ۶۷۲ھ میں آپ کا وصال ہوا' سات سو تر سٹھ سال گزر جانے کے باوجود آپ کے اخلاقی دروس کے اثرات آج بھی موجود ہیں..... آپ کو اس شہر کا بچہ بچہ جانتا ہے اور پوری دنیا میں تصوف سے ادنی سا تعلق رکھنے والا شخص بھی آپ سے واقف ہے.....راہ سلوک طے کرنے والے ہر سالک کو آپ سے عقیدت ہے.....علماء آج بھی مولانا کا کلام اپنے وعظ و تحریر میں لاتے ہیں .....غیر عالموں کی بات دوسری ہے.....

غیر عالموں سے ایک بات یاد آئی کہ ہمارے شہر (کراچی) میں ایک بار زوردار بحث لفظ مولانا پہ غیر عالموں نے شروع کی تھی جس میں کئی عالم اور مولانا ٹائپ لوگ بھی شامل ہو گئے۔ زور اس بات پر تھا کہ اللہ کے سوا کسی کو مولانا کہنا جائز نہیں بلکہ بعض نے اسے ازقبیلِ شرک بتایا۔ دلیل یہ تھی کہ چونکہ اللہ نے خود کو مولانا کہا ہے (انت مولانا) اس لئے اب کوئی اور مولانا نہیں ہوسکتا۔ اور مذہب کی تھوڑی بہت شد بد رکھنے والے اخباری کارکنوں نے تو یہاں تک لکھ مارا کہ یہ صرف ہندو پاک کے مولویوں کی ایجاد ہے دنیا میں کہیں عالم کو مولانا نہیں کہا جاتا ....جبکہ ہم نے دیکھا کہ یہاں قونیہ میں لفظ مولانا کی تکرار اتنی ہے کہ صبح سے شام تک ایک بار نہیں لاکھوں بار لفظ مولانا بولا جاتا ہے.....یہی صورت حال ہم نے جامعہ الازہر کے ازہری اساتذہ و طلبہ کے ہاں محسوس کی.....ایران بھی سارے کا سارا لفظ مولانا استعمال کرتا ہے اور افغانستان بھی.....دیگر بعض عرب ممالک میں بھی ایسا ہی ہے........ بلکہ مراکش تو اپنے بادشاہ کو بھی مولانا کہتا ہے.....تو کیا یہ سب لوگ رات دن شرک ہی مبتلا رہتے ہیں؟..........

.....مولانا روم کی ۶۰۴ ہجری میں بلخ کے بادشاہ خوارزم شاہ کی صاحبزادی کے ہاں ولادت ہوتی ہے اور چھ سال کی عمر میں شہر چھوڑ کر والد حضرت شیخ بہاء الدین حسین بلخی کے ہمراہ طلب علم کے لئے روانگی ہوتی ہے والد گرامی سے ابتدائی تعلیم مکمل کی.....اسی دوران حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ شیخ بہاء الدین کی ملاقات کو آئے' صاحبزادے کو دیکھ کر بشارت دی کہ یہ ایک دن غلغلہ بلند کرے گا.....اس جوہر قابل سے غافل نہ رہنا .... ۱۸ برس کی عمر میں سنت نکاح اور پھر طلب علم میں کمال کی جانب سفر اور توجہ الی الحق کا زمانہ شروع ہوتا ہے.....والد گرامی کے وصال کے بعد شیخ سید برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ سے نو برس تک تحصیل علم و تربیت باطنی میں مشغول رہے.....اور پھر علوم کی تدریس شروع کردی' وعظ بھی فرماتے تھے....... مگر تدریس سے جلد طبیعت بے زار ہوگئی چنانچہ فرماتے ہیں..........

☆سینہ مالا مال درد است و بجوید ہر دمے	درد بر درد دے دگر زخمے بجائے مرہمے☆

ہست تعلیم خساں اے چشم شوخ ہمچو نقش خرد کردن بر کلوخ
خویش را تعلیم کن عشق ونظر کاں بود کالنقش فی جرم الحجر
نفس تو باتست شاگرد وفا غیر شد فانی کجا جوئی کجا
تا کنی غیر را جبر سنی خویش را بدخو دخالی مے کنی

درس وتدریس کوخیر باد کہا اور قال سے حال کی جانب ایسے متوجہ ہوئے کہ پھر اسی کے ہوکے رہ گئے۔

یہاں سے ان کی نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے.............شاہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات مہمیز کا کام کرتی ہے اور آپ کلیۃ (فنا فی اللہ) اللہ کے ہوجاتے ہیں .....آپ کا وصال ۵ جمادی الثانی ۶۷۲ ھ میں ہوا.....(تفصیلی احوال کا یہ موقع نہیں).....اسی پر اکتفا کرتے ہوئے ہم حال سفر بیان کرتے ہیں..........

حسین اپنی گاڑی لے کر آگئے جس میں ہمارا سامان بھی تھا اور ہم ان کی گاڑی میں پہلے تو ایک ہوٹل پہنچے جس کی بکنگ انہوں نے پہلے ہی کروا رکھی تھی........ یہاں کمرے میں سامان رکھا یہ سلجوق ہوٹل ہے ....وضو تازہ کیا اور پھر قریب میں واقع حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دی..... حضرت شمس الدین تبریزی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے پیر ہیں.......... یہاں ان کا مزار شریف ایک مسجد سے متصل ہے اور قدیم قبرستان کی باقیات پر ہے.....دیگر قبریں بھی مسجد کے آس پاس ہیں اور ان پر کتبے بھی ہیں..... حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مزار ایران میں بھی ہے.....واللہ اعلم درست کیا ہے.....یا تو یہ ان کا کوئی مقام ہوگا چلہ گاہ ہوگی یا یہاں کچھ عرصہ قیام رہا ہوگا.....ایران میں موجود ان کے مزار کے بارے میں ایرانیوں کا کہنا ہے کہ وہی صحیح ہے.....اور ترکوں کا کہنا ہے کہ یہی صحیح ہے...........تاریخ ان کا مزار گم بتاتی ہے.....اور اہل مکاشفہ کو ہر دو جگہ ذوق پیدا ہوتا ہے..... بہرکیف ہم مزار پر حاضر ہوئے اور یہاں کے امام صاحب تو ہمارے میزبانوں میں شامل تھے.....کراچی میں ایک دوست سے سفر ترکی کا حال ہم نے بیان کیا تو انہوں نے اپنی خوش ذوقی کا اظہار کرتے ہوئے مبارک باد دی کہ حضرت شمس تبریز کے ہاں آپ کی حاضری مقبول ہوگئی اور انہوں نے اپنی خانقاہ کے امام وخطیب کو تمہارے استقبال کے لئے بھیجا.......... ہم نے کہا صاحب معاف رکھئے ابھی ہم اس قابل کہاں ہوئے ہیں یہ محض ایک خوش خیالی وخوش گمانی ہی ہوسکتی ہے ....اور وہ بھی آپ ہی کرسکتے ہیں ہمیں اس کی جراءت نہیں..........

..... حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد کے امام صاحب کا نام شیخ عبدالمتین ہے ترکی ہیں عربی سمجھتے ہیں اور

☆ قرعہ فالش بنام آدم خاکی زوند گل بود نے دل کہ باد ردے بجوید مرہمے ☆

کچھ کچھ بول بھی لیتے ہیں.......... ہم نے ان کے ساتھ شام کو ایک حلقہ ذکر میں شرکت کی ...... جہاں حسن حسین اوران کے والد علی بھی تھے...... علی کی اہلیہ کا نام فاطمہ ہے...... اور بیٹی کا نام عائشہ اور ایک بیٹے کا نام حسن حسین اور دوسرے بیٹے کا نام احمد ہے......

اس حلقہ ذکر میں خوب لطف وذوق پیدا ہوا.......... پہلے بیٹھ کر ذکر اور پھر ہاتھوں کی زنجیر بنا کر کھڑے ہو کر ذکر...... ایسا ذکر ہم نے مصر اور عراق میں بھی دیکھا تھا...... مگر یہاں کا ذوق ہی کچھ اور تھا...... حال کی کیفیت طاری ہونے لگی...... مشکل سے خود کو سنبھالا...... ذاکرین سے بعد میں تعارف بھی ہوا...... ذکر سے قبل قرآن کریم کی بعض آیات کا ترکی زبان میں درس ہوا.......... پھر خطیب...... امرا...... صاحب نے کہا کہ ہمارے معزز مہمان عالم ڈاکٹر نور احمد شاہتاز پاکستان سے آئے ہیں ان سے گزارش ہے کہ وہ عربی میں کچھ حضور ﷺ کی شان بیان فرمائیں...... انہوں نے یہ بات ترکی میں اچانک کہ دی...... ہمیں اس وقت پتہ چلا جب مترجم (کامران عبداللہ) نے عربی میں ترجمہ کر کے کہا کہ آپ کچھ خطاب فرمائیں...... ہم نے کہا ہم نہ عالم ہیں اور نہ ترکی زبان جانتے ہیں' کہا آپ عربی میں خطاب کریں میں ترکی میں ترجمہ کروں گا دیگر احباب نے بھی ہماری معذرت قبول نہ کی چنانچہ کوئی تیس منٹ ہم نے عربی میں بیان دیا اور وہ ساتھ ساتھ فی البدیہہ ترجمہ کرتے رہے...... ہم نے شروع میں ہی کہ دیا تھا کہ ہم ایک طالب علم ہیں لہذا ہماری گفتگو بھی عالمانہ نہیں طالب علمانہ ہوگی.......... اس کے بعد ہم نے بیان شروع کر دیا۔ شرکاء مجلس اس بیان سے بہت خوش ہوئے اوران کے دل میں پاکستان کے لئے جو محبت ہے اس میں اسقدر اضافہ ہوا کہ ہر کوئی پاکستان زندہ باد کہنے لگا اور مجلس برخواست ہوئی تو ہر شخص زبردستی' دست بوسی کرنے کی کوشش میں رہا۔ اور ہم دامن چھڑانے کی فکر میں کہ مولانا روم کے شہر میں ہمارے ہاتھ چومے جائیں یہ تو بہت بڑی بے ادبی ہے.......... جلدی مجمع سے نکلنے کی کوشش کی مگر لوگوں نے حلقہ بنالیا...... ذکر کی اس محفل سے نکل کر ہمیں ایک ہوٹل لے جایا گیا جہاں کا پزا Pizza بہت مشہور ہے...... علی' حسن حسین' شیخ امرا' شیخ عبدالمتین اور ہم سب نے مل کر یہاں رات کا کھانا کھایا۔ پزا کے علاوہ ترکی طرز کے بہت سے کھانے اور سلاد اس میں شامل تھے اور لسی مفت .... کھانے کے دوران ہوٹل کا مینیجر ملاقات کو آ گیا وہ حضرت شمس تبریز سے عقیدت رکھنے والا شخص تھا اور وہاں کے امام عبدالمتین ہمارے ساتھ تھے تو اس نے سمجھ لیا کہ دعوت امام صاحب کی طرف سے ہے چنانچہ آخر میں جب بل کی ادائیگی کا مرحلہ آیا تو وہ کاؤنٹر سے غائب اور وہاں موجود اسٹاف سے کہ کر چلا گیا کہ ان سے پیسے مت لینا.......... اسٹاف

نے کہا آپ کے ساتھ پاکستان سے آئے ہوئے مہمان ہیں جو حضرت شمس تبریزی ومولانا کی زیارت کو آئے ہیں تو یہ ہمارے مہمان ہیں ...... ان کی ضیافت ہم پر لازم ہے ..... اس نے بڑے ادب سے مصافحہ کیا اور بڑے احترام سے رخصت کیا......

اگلے روز صبح ہم پھر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کوئی دو گھنٹے وہاں گزارنے کے بعد قونیہ کی دیگر زیارات کو نکلے...... یہ جمعہ کا دن تھا...... یہاں ایک بات کا ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ترکی کے سفر کی روانگی سے چند روز قبل ہم لاہور حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری کے لئے گئے وہاں ہم نے قونیہ کے سفر کی دعاء کی...... بڑے بھائی جان (نور اکبر شاہباز صاحب) کے ہاں قیام کیا' انہوں نے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف سے اتری ہوئی ایک چادر عنایت کی اور کہا کہ آپ تبرک کے طور پر کراچی ساتھ لے جائیں...... ہم لے آئے اور جب ترکی روانہ ہونے لگے تو اللہ نے ہمارے دل میں یہ بات ڈالی کہ کوئی تحفہ حضرت پیر رومی کے لئے لیتے جاؤ...... ہم نے بہت سوچا کیا لے کر جائیں...... عین روانگی کے روز یاد آیا کہ ہمارے پاس ایک چادر ہے جو حضرت داتا صاحب کی ہے یہی تحفہ لے چلتے ہیں ..... چنانچہ اسے ساتھ لے لیا...... اور جمعرات کو ہم نے چاہا کہ یہ چادر حضرت پیر رومی کے مزار شریف پر پیش کریں مگر وہاں ایسا کوئی نظام نہ تھا چنانچہ دل میں حسرت وافسوس کی کیفیت پیدا ہوئی کہ یہاں یہ تحفہ پیش نہیں کیا جا سکتا...... معاً...... دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ حضرت کے مرشد کی بارگاہ میں اسے پیش کرنا چاہئے چنانچہ مغرب بعد ہم نے خطیب مسجد سے بات کی کہ ہم ایک تحفہ حضرت کے لئے لائے ہیں صبح پیش کریں گے...... فجر کی نماز کے بعد ہم نے یہ چادر انتظامیہ کی موجودگی میں انہیں پیش کی اور بتایا کہ یہ لاہور سے آئی ہے حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف سے...... اس پر ان تینوں افراد نے بیک زبان بآوازِ بلند تعجب سے کہا...... اللہ اکبر...... اور پھر بتایا کہ جو چادر اس وقت آپ حضرت شمس تبریز کے مزار پر دیکھ رہے ہیں یہ بھی پانچ سال قبل وہیں سے آئی تھی...... پھر تو ہماری بھی زبان سے بے ساختہ نکلا...... اللہ اکبر...... قارئین کرام: یہ بات ہم آپ پر چھوڑتے ہیں کہ یہ ماجرا کیا ہے ایسا کیونکر ہوا ؟ کیا حضراتِ اولیاء ایک دوسرے کو بعد از وصال بھی تحائف بھجواتے ہیں...... ؟ یا یہ محض اتفاقی حادثہ یا خوش عقیدگی کی بنا پر پیدا ہونے والا خیالِ دل ہے؟......

جمعہ کی نماز ہم نے یہاں کی سب سے بڑی مسجد ...... میں ادا کی...... یہاں دو خطیبوں نے تقریر کی...... پہلے خطیب کو مسٹر خطیب اور دوسرے کو آپ شیخ خطیب کہہ سکتے ہیں...... کیونکہ پہلے خطیب صاحب نے لیپ ٹاپ کی

☆بستہ شد اندر ازل خاطر بداں شور جہاں کز نسیم تاب زلفش نوریاں پیچد ہے☆

دیتے خطبہ دیا وہ خود خوبصورت پینٹ کوٹ اور ٹائی میں تشریف لائے اور ان کے ہاں داڑھی کا تکلف نہیں تھا...... تاہم سر پر کلاہ علماء (از ہر طرز کا طربوش) موجود تھا...... دوسرے صاحب جبہ وعمامہ میں تھے اور کسی قدر ریش مبارک بھی ان کے چہرے پر تھی .... انہوں نے اذان ثانی کے بعد عربی میں خطبہ کی سنت اس طرح ادا کی کہ چند آیات واحادیث عربی میں پڑھنے کے بعد ان کی تشریح ترکی زبان میں کی...... دونوں خطبوں کا انداز ہم پاکستانیوں سے ملتا جلتا تھا مگر عربی کے ساتھ ساتھ ترکی میں تشریح اضافی بات تھی......

خطیب اول نے خالص ترکی میں لیکچر دیا اور آیات واحادیث کے لئے لیپ ٹاپ کی خدمات حاصل کیں...... خطیب اول نے خطبہ ایک کٹہرے میں دیا جبکہ خطیب ثانی نے ممبر پر خطبہ پڑھا ان کے ہاتھ میں بھی ایک تحریر تھی جو غالباً ان کے اپنے نوٹس پر مشتمل تھی......

اسی شام ہم شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ سے علاء الدین گئے...... علاء الدین کیقباد کے نام کی مناسبت سے اس علاقے کا نام ہی علاء الدین ہو گیا ہے...... یہاں ہم نے علاء الدین اور دیگر سلجوق حکمرانوں کی قبریں دیکھیں جو ایک ہی قبے میں ہیں...... اور ہمارے ملتان والے بزرگ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے احاطہ میں موجود قبروں سے ملتی جلتی ہیں ٹائیلوں کے رنگ اسی طرح ہلکے نیلے اور گہرے نیلے وسفید...... مینا کاری کے ساتھ......

علاء الدین کی مسجد بڑی عظیم الشان ہے...... اس مسجد کے علاوہ یہاں موجود دیگر تاریخی آثار دیکھنے کا موقع بھی ملا...... پھر ہم یہیں سے پیدل پیدل اس علاقہ میں گئے جہاں حضرت صدرالدین قونوی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار شریف ہے...... یہ حضرت جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے معاصر ہیں اور روایات کے مطابق آپ ہی نے مولائے روم کی نماز جنازہ پڑھائی تھی...... مگر ایک روایت ہم کو یہ بھی پہنچی ہے کہ نماز جنازہ کے لئے جب حضرت صدرالدین قونوی آگے بڑھے تو ایک چیخ مار کر گر پڑے (بے ہوش ہو گئے) چنانچہ نماز جنازہ قاضی سراج الدین نے پڑھائی......

ہم نے ان کے مزار شریف سے ملحق مسجد میں نماز عصر ادا کی...... مغرب واپس حضرت شیخ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں آ کر پڑھی...... قونیہ میں حضرت جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف کے قریب ہی ایک بہت بڑا قبرستان ہے...... اس قبرستان کے اندر داخل ہوں تو شروع ہی میں بائیں جانب ایک جگہ تین قبریں قدیم ہیں جن کے بارے میں بتایا گیا کہ یہ تین اوتادوں کے مزارات ہیں............ واللہ اعلم...... (جاری ہے)

☆ اکحل العینین املح وازج الحاجبین سرمہ گیں چشمے، کماں ابرو، ملیحے ارحمے ☆